WWW.NAFSEISLAM.COM

تعارف

سُورۃ الّیل

نام : اس سُورت کا نام "الّیل" ہے۔ جو اس سورت کا پہلا لفظ ہے۔ اس میں ایک رکوع، اکیس آیتیں، اکہتر کلمے اور تین سو دس حروف ہیں

نزول : یہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

مضامین : اس سورت میں دیگر اہم نکات کے علاوہ ایک نفسیاتی راز سے پردہ اُٹھایا گیا ہے۔ وہ یہ کہ جو انسان اپنے آپ کو نیک اعمال کا عادی بنالیتا ہے۔ اُس کے لیے اچھے کام خواہ کتنے کٹھن اور مشکل ہوں آسان ہو جاتے ہیں۔ لوگوں کے لیے تو اطاعت و تقویٰ کا راستہ بڑا دشوار گزار اور خاردار ہوتا ہے لیکن وہ شخص اس پر یُوں خراماں خراماں گزر جاتا ہے جیسے اُس کے راستہ میں اطلس و کمخواب کا فرش بچھا ہو۔ اس کے برعکس جو لوگ برائیوں کے خوگر ہو جاتے ہیں، وہ ان گناہوں میں ایسی کشش اور لذت محسوس کرتے ہیں جو درحقیقت اُن کی بربادی، بدنامی اور رسوائی کا باعث ہوتے ہیں۔ وہ ایک شراب کے گھونٹ کے لیے بڑی دریادلی سے اپنی دولت لُٹاتے رہتے ہیں۔ جُوئے کی ایک بازی پر وہ اپنی بیگمات کی عصمتوں کو داؤ پر لگانے سے بھی باز نہیں آتے۔ اپنے سگے بھائی کے قتل پر بھی نہ انہیں جھجک محسوس ہوتی ہے اور نہ خجالت۔

ارشادِ الٰہی ہے کہ لوگوں کو دعوتِ حق دینا ہم نے اپنے ذمۂ کرم پر لیا ہُوا ہے لیکن اس کو قبول کرنے پر ہم کسی کو مجبور نہیں کرتے۔ جو چاہے اپنی خوشی سے راہِ حق پر گامزن ہو جائے۔ اور جو چاہے ہلاکت کے گڑھے میں کود جائے۔ اس کو معاوضہ لیا ہی ملے گا جیسا اُس نے اپنی مرضی سے عمل کیے تھے۔ اللہ کے بندے اپنا مال ضرور تنگدستوں میں رات کی تاریکی میں چُھپ چُھپ کر بانٹ رہے ہوتے ہیں۔ اس سے اُن کا مقصد کسی کے سابقہ احسان کا بدلہ چکانا نہیں ہوتا۔ وہ محض اپنے ربِّ اعلیٰ کو راضی کرنا چاہتے ہیں۔ اور انہیں مبارک ہو۔ یہ گوہرِ مقصود انہیں بخش دیا جائے گا۔

نیو سنٹرل جیل سرگودھا

۹-۴-۷۷

سُوْرَةُ الَّيْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اِحْدٰى وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً

سورۃ لیل مکی ہے — اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت ہی مہربان ہمیشہ رحم فرمانے والا ہے۔ — اس میں اکیس آیات ہیں

وَالَّيْلِ اِذَا يَغْشٰى ﴿۱﴾ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰى ﴿۲﴾ وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ

قسم ہے رات کی جب وہ (ہر چیز پر) چھا جائے اور قسم ہے دن کی جب وہ خوب چمک اٹھے اور اس کی قسم جس نے پیدا کیا نر

وَالْاُنْثٰى ﴿۳﴾ اِنَّ سَعْيَكُمْ لَشَتّٰى ﴿۴﴾ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ﴿۵﴾

اور مادہ کو [1] بے شک تمہاری کوششیں مختلف نوعیت کی ہیں [2] پھر جس نے (راہ خدا میں) اپنا مال دیا اور (اس سے) ڈرتا رہا

[1] اس سورت کا آغاز بھی متعدد قسمیں کھا کر کیا گیا ہے۔

[2] یہ ان قسموں کا جواب ہے۔

آفتاب رسالت کے طلوع ہونے سے پہلے ہر طرف کفر و شرک اور جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ عمیق غاریں اور بلند چوٹیاں سب کی سب تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھیں۔ سب اہل عرب ایک ہی ڈگر پر رواں دواں تھے لیکن حضور کی بعثت نے عرب کے معاشرے کو دو گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا۔ دونوں گروہوں کے عقائد و نظریات افکار و جذبات اور اعمال و کردار میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ بُعد تھا۔ ہر گروہ اپنی روش پر پختہ اور اپنی اپنی منزل کی طرف گرم سیر تھا۔ اللہ تعالیٰ قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ جس طرح رات اور دن نر اور مادہ الگ الگ ہیں، ہر ایک کی اپنی خصوصیات اور ان کے الگ الگ نتائج ہیں اسی طرح ان دو گروہوں کے اعمال کی نوعیت بھی جدا جدا ہے۔ ان میں کسی قسم کی یکسانیت نہیں۔ ایک گروہ اپنے خالق و مالک کی بندگی اختیار کیے ہوئے ہے اس کے احکام کی بجا آوری میں کوشاں ہے اور اس کی رضا کا جویا ہے اور دوسرا گروہ معبودان باطل کی چوکھٹ پر جبہ ریز ہے۔ اپنے نفس کی خواہشات کی تکمیل میں روز و شب مصروف ہے۔ عارضی لذتوں اور فانی جاہ و جلال کے حصول کے علاوہ اس کے پیش نظر کوئی منزل نہیں۔ اس بیّن تفاوت کے باوجود ان دو گروہوں کی جد وجہد یکساں نہیں ہو سکتی اور اس پر ایک جیسے نتائج مرتب نہیں ہو سکتے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حقیقت کو یوں بیان فرمایا ہے الناس غادیان، فمبتاع نفسہ فمعتقها، وبائع نفسہ وموبقها۔ (قرطبی) لوگ جب صبح کرتے ہیں تو ان کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ کچھ لوگ اپنے نفس کو خرید کر اس کو آزاد کر دیتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے نفس کو فروخت کر کے اس کو ہلاک کر دیتے ہیں۔

شتّٰی، شتیت کی جمع ہے جس طرح مریض کی جمع مرضٰی۔ یعنی متفرق اور منتشر۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ان سعیکم لشتیت ہوتا کہ اسم اور خبر دونوں واحد ہوتے لیکن سعی مسلسل جد وجہد کو کہتے ہیں جو متعدد اعمال و افعال پر مشتمل ہوتی ہے اس لیے اگرچہ سعی لفظاً واحد ہے لیکن معناً جمع ہے۔ اس کے اس معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی خبر شتّٰی جمع ذکر کی گئی۔

وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ﴿٦﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ﴿٧﴾ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ

اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی ۳؎ تو ہم آسان کر دیں گے اس کے لیے آسان راہ ۴؎ اور جس نے بخل کیا

۳؎ ان دو گروہوں کی جدوجہد کے چند اہم پہلو ذکر کر کے ان کے باہمی بُعد اور تفاوت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ پہلے اس سعادتمند گروہ کی جدوجہد اور سعی پیہم کے اہم پہلوؤں کو ذکر فرمایا۔ جس گروہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو صمیم قلب سے قبول کیا، حضور کے دست حق پرست پر ہاتھ رکھ کر اسلام کی بیعت کی اور ہر قیمت پر اللہ تعالیٰ کی توحید کے پرچم کو سر بلند کرنے اور سر بلند رکھنے کا عزم کیا، فرمایا یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیے ہوئے رزق سے اس کی رضا، اس کے دین کی سربلندی اور اس کے عزوتمند بندوں کی اعانت کے لیے اپنا مال بصد مسرت خرچ کرتے ہیں۔ اس کو بوجھ نہیں سمجھتے، اس کو تاوان اور چٹی خیال نہیں کرتے بلکہ سب کچھ نثار کر کے شکر ادا کرتے ہیں کہ ان کے رب نے ان کو مال بھی بخشا اور اپنے راستے میں اسے خرچ کرنے کی توفیق بھی مرحمت فرمائی۔ ان کی دوسری خوبی یہ ہے کہ انہوں نے تقویٰ کو اپنا شعار بنا رکھا ہے۔ فرائض و واجبات کی ادائیگی میں بڑے سرگرم ہیں۔ منہیات اور محرمات کے قریب تک نہیں پھٹکتے۔ ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہے۔

ان کی تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے جن اچھی چیزوں کی انہیں تعلیم دی ہے ان کی وہ تصدیق کرتے ہیں اور دل سے تسلیم کرتے ہیں کہ یہ باتیں سراسر حق ہیں۔

۴؎ یہ جملہ بڑا توجہ طلب ہے۔ فرمایا جس گروہ میں یہ تین صفات پائی جاتی ہیں ہم ان کے لیے وہ راہ آسان کر دیتے ہیں جو انہیں ابدی فلاح اور حقیقی مسرتوں کی طرف لے جانے والی ہے۔ اس راہ پر چلنے کی لگن ہم ان کے دل میں پیدا کر دیتے ہیں اپنی منزل سے انہیں اتنا عشق ہو جاتا ہے۔ جو کام لگن اور عشق سے کیا جائے وہ بظاہر کتنا کٹھن کیوں نہ ہو جذبۂ عشق کی برکت سے وہ ذرا مشکل نہیں ہوتا۔ اس راہ کے کانٹے بھی پھولوں سے زیادہ پیارے لگتے ہیں۔ ہر مشکل گھاٹی راہی کو نئی لذتوں سے آشنا کرتی ہے۔ نماز اس کے لیے بوجھ نہیں رہتی بلکہ اس کی روح کی غذا بن جاتی ہے جس کے بغیر اسے قرار نہیں آتا۔ عبادات کی ادائیگی میں اس کو گرانی محسوس نہیں ہوتی بلکہ اسے وہ خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے جس کا اندازہ ہر شخص کے بس کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کا شوق نئے نئے بہانے تلاش کرتا ہے اور جب اس کی رضا کے لیے سر کٹانے کا موقع آتا ہے تو اس وقت اس کا ذوق سرفروشی فرشتوں کو بھی محوِ حیرت کر دیتا ہے۔

اب ذرا آیت کے الفاظ میں غور فرمائیے:

علامہ آلوسی فَسَنُيَسِّرُهٗ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اصل التیسیر من الیُسر بمعنی السھولۃ۔ لکن أرید التھیئۃ و الاعداد للامر۔ یعنی تیسیر، یُسر سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اس کا اصل معنی آسانی اور سہولت ہے لیکن یہاں اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی کام کے لیے کسی کو مستعد اور تیار کر دینا۔ عرب جب گھوڑے پر زین ڈال کر اور اس کے منہ میں لگام دے کر سواری کے لیے بالکل تیار کر دیتے ہیں تو کہتے ہیں یَسَّرَ الفرس للرکوب اِذا اَسْرَجَھا والجمھا۔

علامہ ابن منظور نے بھی لسان العرب میں اس کا یہی مفہوم بتایا ہے اور متعدد احادیث بطور استشہاد پیش کیں۔ ان میں سے ایک

وَاسْتَغْنٰى ۙ﴿۸﴾ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۙ﴿۹﴾ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ؕ﴿۱۰﴾

اور بے پروا بنا رہا۔ اور اچھی بات کو جھٹلایا ۹ تو ہم آسان کردیں گے اس کے لیے مشکل راہ ۱۰

آپ بھی سن لیجیے:

فی الحدیث: اعملوا وسددوا وقاربوا فکل میسر لما خلق له. ای مهیئا۔ یعنی حضور نے فرمایا کہ نیک اعمال کرو، راست روی اختیار کرو، میانہ روی اختیار کرو۔ ہر شخص جس مقصد کے لیے پیدا کیا گیا اس کی استعداد اس میں رکھ دی گئی ہے۔ چنانچہ علامہ آلوسی اس جملہ کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں فسنهیئه للخصلة التی تؤدی الی یسر وراحة کدخول الجنة ومبادیه۔ یعنی ہم اس میں اس خصلت کی استعداد پیدا کردیتے ہیں جو اسے آسانی اور راحت کی طرف لے جاتی ہے جس طرح دخول جنت اور اس کے لوازمات وغیرہ۔ یسریٰ، صفت مونث ہے لیکن اس کا موصوف مقدر ہے۔ اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ، رضائے الٰہی، دخول جنت سب اس کے موصوف ہوسکتے ہیں۔ ان امور کو آسان اور سہل فرمایا گیا ہے۔ اس لیے بھی کہ جب انسان ان کو حاصل کرلیتا ہے تو اس کو ابدی راحت و آرام نصیب ہوجاتا ہے اور اس لیے بھی کہ وہ اس کی فطرت سلیمہ کے عین مطابق ہے۔ جو کام انسان کی فطرت سے ہم آہنگ ہو اس کا کرنا مشکل نہیں ہوتا بلکہ انسان بڑی سہولت سے اس کو انجام دے سکتا ہے۔ مشکل کام تو یہ ہے کہ جب کسی شخص کو اس کی فطرت کے تقاضوں کے خلاف کوئی کام کرنے پر مجبور کیا جائے اسے قدم قدم پر اپنی فطرت سے جنگ کرنا پڑتی ہے۔ اپنے جذبات سے برسرپیکار ہونا پڑتا ہے اور اپنے مزاج کی مخالفت کرنا پڑتی ہے اور یہ کام واقعی بڑا کٹھن اور مشکل ہوتا ہے۔

علامہ جوہری نے اس کا معنی وَفّقهُ لکھا گیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فرمانبردار بندوں کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتا ہے۔

اس میں انسانی نفسیات کا ایک پیچیدہ مسئلہ بھی حل کردیا گیا۔ بتا دیا گیا کہ جو شخص نیک اعمال کرتا ہے اس میں مزید نیک اعمال کرنے کی قوت اور ہمت پیدا ہوجاتی ہے۔ جب وہ راہ راست پر گامزن ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مزید آگے بڑھنے اور بلند ترین منزل پر خیمہ زن ہونے کا شوق مرحمت فرمادیتا ہے جس کے باعث نیک اعمال اس کے لیے بالکل آسان ہوجاتے ہیں۔

۹ اہل سعادت کی خصوصیات بیان کرنے کے بعد اب اہل شقاوت کی قبیح عادات اور ان پر مرتب ہونے والے رسوا کن نتائج و اثرات کا بیان ہورہا ہے۔

ان کی ایک خصلت یہ ہے کہ راہ حق میں ایک دمڑی خرچ کرنا بھی ان کے لیے بڑی مصیبت ہے۔ ویسے اپنی نام و نمود کے لیے وہ بے دریغ روپیہ صرف کرتے ہیں اپنی بزم عیش و طرب سجانے کے لیے وہ پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرنے کے لیے دعوت اسلام کو کامیاب بنانے کے لیے اگر ان کی دولت کی ضرورت ہو تو ان کو سانپ سونگھ جاتا ہے۔ ایک پائی خرچ کرنے کی توفیق بھی انہیں نصیب نہیں ہوتی۔

ان کی دوسری خصلت یہ ہے کہ ان کی ساری تگ و دو دنیوی شہرت و ناموری حاصل کرنے تک محدود ہوتی ہے۔ انہوں نے اپنے انجام کو بالکل بھلا دیا ہے اپنے رب کو راضی کرنے کا خیال تک بھی کبھی ان کے دل میں نہیں گزرتا گویا وہ بڑے بے نیاز ہیں۔ نہ انہیں

وَمَا يُغْنِيْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ﴿۱۱﴾ اِنَّ عَلَيْنَا لَلْهُدٰى ﴿۱۲﴾

اور اس کے کسی کام نہ آئے گا اس کا مال جب وہ ہلاکت (کے گڑھے) میں گرے گا۔ بے شک ہمارے ذمہ کرم پر ہے رہنمائی کرنا

اپنے خدا کی ضرورت ہے نہ اپنے نیک انجام کی کوئی آرزو ہے۔ اگر زیادہ سے زیادہ وہ دولت سمیٹ لیں اور اونچا سے اونچا منصب انہیں مل جائے تو گویا انہوں نے اپنا گوہرِ مقصود پا لیا۔ ان کی تیسری خصلت بد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا محبوب رسول جن اعلیٰ اور عمدہ باتوں کی انہیں تعلیم دیتا ہے، جن ابدی صداقتوں اور لازوال سچائیوں سے انہیں آگاہ کرتا ہے وہ ان کی سچائی کو ہرگز تسلیم نہیں کرتے بلکہ ان کو اُلٹا جھٹلاتے ہیں ان کی تکذیب کرتے ہیں۔ ان کو غلط ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور صرف کرتے ہیں۔ جب ان کی یہ عادتیں اور خصلتیں ہیں تو آپ خود ہی فیصلہ کر لیں کہ ان کی جدوجہد اور ان پاکبازوں کی جدوجہد کیونکر یکساں ہو سکتی ہیں اور ان کے نتائج ایک جیسے کیونکر ہو سکتے ہیں۔

آخر میں فرمایا کہ جن کی یہ عادات ہوں، جن کا یہ طریقہ کار ہو ان کو یہ سزا دی جاتی ہے کہ ان کے دلوں میں ان کرتوتوں کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے جو انہیں کشاں کشاں جہنم کی طرف لے جانے والے ہیں۔ انہیں نیکیوں سے نفرت ہو جاتی ہے گندگی کے کیڑوں کی طرح فسق و فجور کی غلاظتوں میں وہ بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں۔ شراب نوشی اور بدکاری سے ان کا لگاؤ اتنا شدید ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا مال اور اپنی جائیداد تک ان کی راہ میں ضائع کر دیتے ہیں، اپنی ذاتی عزت اور خاندانی وقار کو بھی خاک میں ملا دیتے ہیں۔ اپنی بیوی کے کانوں کی بالیاں اتار کر بھی وہ دخترِ رز سے اپنا شوق پورا کرتے ہیں۔ چوری کی ایسی لت انہیں پڑتی ہے کہ کوئی سزا انہیں اس سے باز نہیں رکھ سکتی ہر وہ بری چیز جو ان کی تباہی کا باعث ہے اس پر سو جان سے وہ فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ انہیں کوئی لاکھ سمجھائے وہ سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

عُسریٰ صفت مؤنث ہے۔ اس کا موصوف بھی محذوف ہے۔ اعمالِ سیئہ، بداخلاقی، جہنم سب اس کے موصوف ہو سکتے ہیں۔ ان کو مشکل کہنے کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب انسان ان میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کی تکلیفوں اور مصیبتوں کی انتہا ہو جاتی ہے اور اس لیے بھی انہیں عسریٰ کہا گیا کہ ان کرتوتوں کے کرتے وقت اسے اپنی فطرت سے، اپنے مزاج سے جنگ لڑنی پڑتی ہے۔ قدم قدم پر اس کی فطرتِ سلیمہ صدائے احتجاج بلند کرتی ہے۔ اس کا ضمیر اس کو بری طرح ملامت کرتا ہے۔ اس کے باوجود اس کا گناہوں میں مگن رہنا بڑا کٹھن اور دشوار کام ہے۔

اس حقیقت کو قرآن کریم میں متعدد مقامات پر مختلف اسالیب سے بیان فرمایا گیا۔ سورۂ انعام کی ایک آیت ملاحظہ فرمایئے فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ۔ (ترجمہ) اور جس خوش نصیب کے لیے اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے کہ ہدایت دے کشادہ فرما دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے اور جس بدنصیب کے لیے ارادہ فرماتا ہے کہ اسے گمراہ کرے تو بنا دیتا ہے اس کے سینہ کو تنگ بہت تنگ گویا وہ زبردستی چڑھ رہا ہے آسمان کی طرف۔ (انعام ۱۲۵)

جس مال کی محبت میں آج وہ مارا مارا پھر رہا ہے، جائز و ناجائز، حرام و حلال کے درمیان امتیاز بھی نہیں کرتا اب اسے دھکیل کر جہنم رسید کیا جائے گا تو یہ مال اس کے کسی کام نہ آئے گا۔ اس وقت وہ بہت چاہے گا کہ اس کی ساری جائیداد لے لی جائے اس کے بدلے

وَاِنَّ لَنَا لَلْاٰخِرَةَ وَالْاُوْلٰى ﴿١٣﴾ فَاَنْذَرْتُكُمْ نَارًا تَلَظّٰى ﴿١٤﴾

یقیناً آخرت اور دنیا کے ہم ہی مالک ہیں۔ پس میں نے خبردار کر دیا ہے تمہیں ایک بھڑکتی آگ سے۔

لَا يَصْلٰىهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ﴿١٥﴾ الَّذِىْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿١٦﴾ وَسَيُجَنَّبُهَا

اس میں نہیں جلے گا مگر وہ انتہائی بدبخت جس نے نبی کریم کو جھٹلایا اور (آپ سے) روگردانی کی ۹ اور دور رکھا جائے گا اس سے

الْاَتْقَى ﴿١٧﴾ الَّذِىْ يُؤْتِىْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ﴿١٨﴾ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ

وہ نہایت پرہیزگار جو دیتا ہے اپنا مال اپنے (دل) کو پاک کرنے کے لیے ۱۰ اور اس پر کسی کا کوئی

مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ﴿١٩﴾ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ﴿٢٠﴾

احسان نہیں جس کا بدلہ اسے دینا ہو۔ بجز اس کے کہ وہ اپنے برتر پروردگار کی خوشنودی کا طلبگار ہے ۱۱

زیورات لے لیے جائیں، اس کی تجوریوں میں کھنکتے اور چمکتے ہوئے چاندی اور سونے کے سکے سب لے لیے جائیں اور اس کی جان بخشی کر دی جائے لیکن اس روز اس کی کوئی بات نہ سنی جائے گی۔ اس کی سب فریادیں صدا بصحرا ثابت ہوں گی۔ اس کی ساری پیشکشوں کو ٹھکرا دیا جائے گا۔ اذا تردّٰی ای تسقط فی جہنم۔

۸ سیدھی راہ دکھانا ہمارا کام ہے اور اس راہ پر چلنا انسان کا کام ہے۔ حق و باطل کو الگ الگ کر دینا ہمارا کام ہے اور باطل کو چھوڑ کر حق کو اختیار کرنا اس کا کام ہے۔

۹ جب ہم نے بروقت انہیں خبردار کر دیا ہے اس کے باوجود جو راہِ حق اختیار نہیں کرتا اور غلط راستہ پر چل کر سیدھا جہنم میں جا گرتا ہے تو اس سے زیادہ بدبخت اور شقی کون ہو سکتا ہے۔ یہاں اشقیٰ سے مراد امیہ بن خلف اور اس کے زمرے کے وہ رؤسائے کفر ہیں جنہوں نے دانستہ دعوتِ حق کو جھٹلایا اور محض عناد اور تعصب کی بنا پر باطل پر اڑے رہے۔

۱۰ ایک طرف اشقیٰ ہے جس کا طریقہ کار حق کی تکذیب اور اسلام سے روگردانی ہے۔ اس کے مدِّمقابل وہ شخص ہے جو تقویٰ اور پارسائی میں اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہے۔ جو دعوتِ حق کو کامیاب کرنے کے لیے بصد مسرت اپنا سارا مال و متاع قربان کرنے کے لیے آمادہ ہوتا ہے۔ دونوں کا انجام یکساں نہیں ہو سکتا ہے۔ ان کے انجام میں اتنا ہی بُعد ہے جتنا ان کے فکر و عمل میں تفاوت ہے۔

۱۱ اقلیمِ تقویٰ و پارسائی کا یہ تاجدار اپنا مال جس دریا دلی سے خرچ کر رہا ہے وہ کسی کا احسان اتارنے کے لیے نہیں، کسی کی نیکی اور حسنِ سلوک کا معاوضہ ادا کرنے کے لیے نہیں، اس کی نیت ان تمام آلائشوں سے پاک ہے۔ اس کے پیشِ نظر فقط ایک ہی مقصد ہے اور اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اپنی متاعِ جان و دل تک قربان کرنے کے لیے بیتاب ہے۔ وہ مقصد فقط اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی ہے۔

وَلَسَوۡفَ يَرۡضٰى ﴿۲۱﴾

اور وہ ضرور اس سے خوش ہوگا ۱۲ ے

حضور سرورِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حلقہ عقیدت میں داخل ہونے والے سب انہی صفات سے متصف تھے اور ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت صدیق اکبر کے عمل میں ملتی ہے۔ ہجرت سے پہلے وہ اپنی دولت نومسلم غلاموں اور کنیزوں کو ان کے کافر آقاؤں سے خرید کر آزاد کرنے میں صرف کرتے رہے۔ جب سفر ہجرت میں سید المرسلین کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہوا تو گھر میں جتنا روپیہ تھا ساتھ لے لیا۔ ہجرت کے بعد جہاد کے لیے جب بھی سرمائے کی ضرورت ہوئی تو اس میں سب سے بڑھ کر حصہ لیا۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر اپنے گھر کا سارا اثاثہ اپنے محبوب کے قدموں میں لا کر ڈھیر کر دیا۔ جب حضور نے دریافت کیا کہ ابوبکر! اپنے گھر میں بھی کچھ چھوڑ گئے ہو؟ تو عرض کیا آپ کا نام اور آپ کے پروردگار کا نام چھوڑ کر آیا ہوں۔

ان آیات کے شانِ نزول کے بارے میں حضرت ابن عباس سے یہ قول مروی ہے کہ جب حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تو ان کے مالک امیہ بن خلف نے ان کو طرح طرح سے ستانا شروع کر دیا۔ ایک روز وہ آپ کو اذیت دے رہا تھا، آپ پر غشی طاری تھی۔ اس وقت بھی آپ کی زبان پر احد احد جاری تھا۔ اس اثنا میں رحمتِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا گزر ہوا۔ فرمایا احدٌ ینجیک۔ جس احد کا نام تم لے رہے ہو وہی تمہیں اس ظلم سے نجات دے گا۔ حضور نے صدیق اکبر سے بلال کی کیفیت بیان کی۔ راز دانِ نبوت حضور کے مدعا کو فوراً تاڑ گئے۔ اسی وقت گھر گئے اور نصف سیر سونا لے کر امیہ بن خلف کے پاس پہنچے اور کہا کیا تو بلال کو بیچنا چاہتا ہے؟ اس نے اثبات میں جواب دیا۔ آپ نے منہ مانگی قیمت ادا کر کے انہیں خرید لیا اور آزاد کر دیا۔ اس وقت یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

آپ کے والد ابوقحافہ کو جب علم ہوا کہ ان کا بیٹا ابوبکر کمزور اور نحیف غلاموں اور باندیوں کو خرید کر آزاد کر دیتا ہے تو انہوں نے کہا میرے بیٹے! تم ضعیف اور کمزور لوگوں کو آزاد کرتے ہو۔ اگر تم طاقتور اور بہادر غلاموں کو خرید کر آزاد کرتے وہ کسی مشکل کے وقت تمہارے کام آتے۔ آپ نے فرمایا ای ابت انما ارید ما عند اللہ۔ (ابن کثیر) ابا جان میرا اس سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہے۔

۱۲ ے یرضیٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ اور صدیق اکبر دونوں ہو سکتے ہیں۔ اگر فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو جملہ کا مطلب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ ابوبکر پر راضی ہو جائے گا، جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اس نے سب کچھ قربان کر دیا ہے اس کی رضا اس کو حاصل ہو جائے گی۔ اور اگر فاعل ابوبکر صدیق ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں کا وہ مینہ ابوبکر پر برسائے گا کہ ابوبکر اپنے رب کریم کے لطف و کرم اور جود و عطا کو دیکھ کر خوش ہو جائے گا۔

○

اللّٰھم انت ربنا نحن نطلب رضاک فارض عنا برحمتک و بکرمک انک رءوف رحیم۔ وصل وسلم وبارک علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

○